افاداتِ سلیم چشتی مرحوم

حقیقتِ نفس و روح

نفس اور روح کے اتحاد یا مغائرت میں حکمائے اسلام و غیر اسلام کا مشہور اختلاف ہے حکمائے اسلام کی طرح حکمائے یونان بھی اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں کہ آیا یہ الگ الگ ہیں یا ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اس مسئلہ پر مبسوط ترین کتاب حافظ ابن قیمؒ نے لکھی ہے۔ اگرچہ ابن سینا نے بھی 'اشارات' میں اس مسئلہ پر مبسوط بحث کی ہے اور گویہ صحیح ہے کہ اس نے جو کچھ کہا وہ ارسطو کی تقلید ہے مگر محققانہ انداز میں۔ بلکہ جو دلائل اس نے لکھے ہیں شاید ارسطو کو بھی نہ سوجھے ہوں۔

ائمہ متکلمین میں سے امام رازیؒ نے "شرح اشارات' میں نیز علامہ قطب الدین رازی نے اشارات کی دونوں شروح رازیؒ اور طوسیؒ پر محاکمہ لکھا ہے۔

افلاطون سے پہلے بھی اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے۔

مزید براں سید شریف جرجانی صاحب شرح مواقف نے جہاں جوہر اور عرض کے مباحث لکھے ہیں اسی مسئلے پر بحث کی ہے اور تفسیر کبیر کے پندرھویں پارہ میں بھی "قل الروح من امر ربی" کے ذیل میں یہ بحث تفصیل سے آئی ہے۔ علاوہ ازیں شرح مقاصد میں بھی یہی بحث ہے مگر بہت مختصر۔ پھر علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں مفصل بحث کی ہے اور علامہ طنطاویؒ نے تفسیر "الجواہر" میں بحث کی ہے۔

متصوفین میں سے غزالیؒ نے اپنی کلامیہ تصانیف میں اس مسئلہ پر خوب بحث کی ہے چنانچہ تہافۃ اور احیاء دونوں میں یہ بحث موجود ہے۔

صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لئے ان دونوں لفظوں کا استعمال معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن ان لفظوں کا استعمال کن کن معنوں میں کرتا ہے۔ غلط فہمی اس لئے ہوئی کہ اُس وسعت کو نظر انداز کر دیا گیا جس کے ساتھ اس کا استعمال ہوا ہے۔

© rasailojaraid.com

نفس

قرآن نے لفظِ نفس کا استعمال متعدد معنوں میں کیا ہے۔ مثلاً

(۱) شے کی حقیقت و کنہ ذات میں جہاں ایک شے کی حقیقت اور کنہ کا اظہار مقصود ہو۔ جیسے سورۂ مائدہ ۱۶ع میں فرمایا "لَا اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ" اے خدا جو تیری حقیقت اور کنہ ہے میں نہیں جانتا؟ یہاں "نفس" کے معنی کسی صورت میں بھی روح کے نہیں ہو سکتے

(۲) جنس و نوع کے معنی میں جیسے سورۂ نساء میں فرمایا:

خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا

اگر نفس واحدہ سے مراد شخص ہے تو مراد حضرت آدمؑ ہوئے اور منہا کی ضمیر آدم کی طرف (بتاویل نفس) راجع ہوگی تو نتیجہ یہی ہو گا کہ حوا بھی آدم سے پیدا ہوئی۔

غلطی کا مبنیٰ یہ ہے کہ یہاں نفس دراصل جنس و نوع کے معنی میں مستعمل ہے۔ اسے فرد واحد سمجھ لیا گیا۔

اسی کی تائید سورۂ نحل ۸ع کی مندرجہ ذیل آیت سے ہوتی ہے۔

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا

یہاں اہل سنت نے بھی طوعاً و کرہاً یہ کہا ہے کہ "من انفسکم ای من جنسکم و نوعکم" مزید تائید سورۂ روم ۳ع سے ہوتی ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا

حدیث میں آیا ہے کہ تم عورتوں کے ساتھ سختی مت کرو کیونکہ ان کی فطرت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی انّہن خلقن من ضلع اعوج یہ محض اسلوب بیان ہے۔

جس طرح کہتے ہیں "خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ" (انبیا ۳ع) تو اب یہاں عجلت انسان کا مادہ نہیں ہے بلکہ انسان کی جلد بازی کی وجہ سے ایسا کہہ دیا گیا۔ اسی طرح عورتوں کی نفسی کیفیت کا بیان "پسلی" سے کیا گیا ہے۔ عورتیں پسلی کی طرح ہوتی ہیں۔ کجی یا خمیدگی ان کی فطرت میں داخل ہے!

(۳) قرآن نے اس کا استعمال ہر جاندار چیز کے متعلق بھی کیا ہے عام اس سے کہ وہ انسان ہو یا حیوان ہو۔ جاندار چیز پر لفظ نفس کا اطلاق ہوتا ہے مثلاً "کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ" میں کسی خاص جنس یا نوع کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ موالید ثلاثہ میں سے جو جاندار ہے وہ ضرور مرے گا۔

d.com

یہاں پہلے معنی نہیں لئے جاسکتے کیونکہ حقائق پر موت طاری نہیں ہو سکتی اسی طرح اجناس وانواع پر موت طاری نہیں ہو سکتی۔

(۴) قرآن نے اس کا استعمال محض انسانی افراد پر بھی کیا ہے۔ مثلاً سورۂ انعام ۱۹ع میں فرمایا وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ الخ یعنی مت قتل کرو کسی انسان کو۔ اس کی تائید سورۂ مائدہ ۵ع سے بھی ہوتی ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ (مراد انسان ہے)

(۵) قرآن نے اس کا استعمال محض جان (LIFE) یا (SOUL) کے معنوں میں بھی کیا ہے۔ یعنی وہ چیز جو جاندار کو "جاندار" ٹھہراتی ہے سورۂ انعام ۱۱ع میں ہے

وَ لَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَکُمْ

نفس انسانی کے قرآن کریم نے تین مراتب بیان کئے ہیں۔ ہر مرتبہ کے اعتبار سے اس کے مختلف نام مقرر کئے ہیں۔ نفس انسانی تین نہیں ایک ہی ہے۔ جس طرح نفس نباتی نفس حیوانی بنا اسی طرح نفس حیوانی نفس انسانی بنا، اب نفس انسانی کے تین مراتب ہیں نہ کہ انواع متضادہ مثلاً سورۂ یوسف ۷ع میں فرمایا اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوْٓءِ۔ یہ نفسِ امارہ کا بیان ہوا (پارہ ۲۹) سورۂ قیامت ۱ع میں فرمایا لَاۤ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ ○ یہ نفسِ لوّامہ کا بیان ہوا اور سورۂ فجر ۱ع میں فرمایا یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّکِ۔ یہ نفسِ مطمئنہ کا بیان ہوا۔

رُوح

لفظ نفس کی طرح لفظ روح میں بھی وسعت ہے مثلاً

(۱) قرآن نے اس کا استعمال اس لطیف ترین چیز میں بھی کیا ہے جس کی وجہ سے جاندار چیز جاندار کہلاتی ہے۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ

(۲) جانداروں میں سے خصوصاً روح انسانی (نفس ناطقہ) کے لئے اسے بکثرت استعمال کیا گیا ہے جیسے

یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِکَۃُ (نباء ۲ع)

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوْحُ (معارج ۱ع)

© rasailojaraid.com

مندرجہ بالا آیات کے متعلق مفسرین کے تقریباً سات اقوال منقول ہیں۔ ان میں سے دو اقوال کے علاوہ بقیہ اقوال نہایت عجیب و غریب ہیں جن کی تفصیل تفسیر طبری اور روح المعانی میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(۳) قرآن نے اس لفظ کا استعمال جبرئیلؑ کے حق میں بھی کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ انبیاء ہیں کلام الٰہی پہنچانے کی خدمت سرانجام دیتے رہے ہیں جو کہ مردہ قلوب کی حیات کا باعث ہے چنانچہ سورۂ مجادلہ کے تیسرے رکوع میں جہاں حضور علیہ السلام کے صحابہ کی خداپرستی کی وجہ سے ان کی تعریف کی گئی ہے یعنی اَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ [1]

(۴) قرآن نے اس لفظ کا زیادہ وسیع استعمال اپنے حق میں کیا ہے اور بلاشبہ یہ استعمال ایک حقیقت مسلمہ کی حیثیت رکھتا ہے جس طرح مادیات کی حیات کا باعث ارواح ہیں اسی طرح ارواح کی حیات کا اکمل ترین سبب خود قرآن کریم ہے۔ چنانچہ سورۂ شوریٰ ۵ع میں ہے۔

اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (قرآن کریم اتارا)

(۵) قرآن کے علاوہ عام الہام ربانی کو روح قرار دیا گیا ہے۔

"یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ لِیُنْذِرَ. الآیۃ" اس وحی سے

---

[1] عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں یہ آیت پیش کرتے ہیں" اَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ " روح القدس اور روح ایک ہی الفاظ کے دو مختلف نام ہیں یعنی حضرت جبرئیل۔ تو ان سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ آپ کے تو نبی کی تائید روح القدس سے کی گئی۔ یہاں غلامان رسول اللہؐ کے لئے اس کی تائید کا اعلان موجود ہے آگے اس کی زیادہ تصریح آتی ہے۔ نذیر قرآن نے عموماً جبرئیل کا عنوان روح القدس کو بنایا ہے۔ مندرجہ بالا آیت میں تو فقط بروح منہ ہی ہے لیکن آپ نے حضرت حسان بن ثابتؓ کے حق میں دعا فرماتے ہوئے قدس کی قید بھی بیان فرمادی اللھم ایدہ بروح القدس

اسی طرح توبہ ۶ع میں فرمایا وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تائید تو ایک ہی فرشتے سے ہوئی۔ یہاں لشکر کا لشکر صحابہ کرام کی تائید میں بھیج دیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تائید بھی ہوئی۔ لیکن افسوس کہ مؤید صاحب انہیں پھانسی پر لٹکنے سے نہ بچاسکے۔ لیکن غلامان رسول اللہ ۳۱۳ ہونے کے باوجود ایک شاندار فتح حاصل کر کے کامران ہو کر واپس لوٹے۔

d.com

مراد اگر انبیاء سابقین کے الہامات لئے جائیں تو یہ غلط ہو گا کیونکہ اس میں "یُلْقِیْ" بعینہٖ مضارع واقع ہوا ہے اور اس کی غرض انذار ہے اور یہ سلسلہ تاقیامت جاری رہے گا۔ اس کا عام اور سادہ مفہوم یہی ہے کہ بعض دقتیں جو پیروان امت محمدؐیہ کو وقتاً فوقتاً پیش آئیں گی وہ لوگوں کو اس القاء روح یا الہام ربانی کے ذریعہ سے ان دقتوں سے نکالے گا اور یہ بات ختم نبوت میں مخل نہیں ہے۔

چنانچہ تفسیر روح المعانی میں ہے کہ تبلیغ وارشاد کرنے والے کے لئے جو رکاوٹیں پیش آتی ہیں تائید الٰہی سے ان کو دور کیا جاتا ہے اور یہ سلسلہ قیام ساعت تک قائم رہے گا۔

(مومن ۲ع۔ تفسیر روح المعانی)

اسی مضمون کا تذکرہ سورۂ نحل میں بھی موجود ہے۔

یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا

ایک دوسرے رنگ میں یہی مضمون سورۂ حٰم سجدہ میں آتا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ان عنایات اور تائید ایزدی کا دروازہ کب کھلتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○

یعنی ملائکہ کا نزول اور القاء روح اس وقت ہوتا ہے جب کہ انسان پورا پورا دین الٰہی پر قائم ہو جائے اور اس کو پختہ یقین ہو جائے کہ میرا رب خدا ہے اس کے سوا کوئی نہیں اسی استقلال کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ وہ یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ ہر کام میں میری تائید ہو رہی ہے وہ خود بخود جنت کی خوشخبری سننے لگتا ہے۔ یہ سب استقامت فی الدین کا نتیجہ ہے۔ اس آیت کے بعد جو آیت آتی ہے اس میں دعوت وارشاد کا ذکر صاف موجود ہے جس سے اس نظریہ کی تائید مزید ہوتی ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ

(دعوت الی الحق سے اچھی بات کون سی ہے؟)

نفس وروح کی اس وسعت کو ذہن نشین کر لینے کے بعد جو حقیقت نفس وروح کی ائمہ دین اور حکماء ملت نے بیان کی ہے وہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے۔

امام راغبؒ نے مفردات القرآن میں اس حقیقت کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

الذی بمتصل الحیاۃ و التحرّک و التنفّس و استجلاب المنافع و استد فاع المضار۔ یعنی روح ایک ایسی چیز ہے جس سے کہ حیات حاصل ہوتی ہے اور حرکت پیدا ہوتی ہے اور تنفس جاری ہوتا ہے جس کے ذریعہ نفع کی چیز لی جاتی ہے اور مضرت کی چیز دور کی جاتی ہے۔

ان دونوں الفاظ کے مشتقات سے تنفس ہی کی بو آتی ہے۔ یعنی روح اور نفس کے مشتقات میں سے ایک راح ہے یعنی خوشبو۔ دوسرے ریح ہے یعنی ہوا۔ پھر نفس کے معنی میں سانس۔ یہ سب چیزیں تحرک و تنفس کو ظاہر کرتی ہیں۔

متکلمین و حکماء و محدثین و اصفیاء نے ان الفاظ میں اس کی حقیقت کو ظاہر کیا ہے

جسم نورانی علوی متحرک مخالف بالما هیئة فی الزیتون و النار فی الفحم لا یقبل التحلل و لا تبدل و لا تغرق و ممزق مفید للجسم المحسوس الحیاۃ و توابعها ما دام صالحا لقبول الفیض لعدم حدوث ما یمنع من السریان

یعنی روح ایک جسم ہے نورانی، علوی، زندہ، متحرک اور اس محسوس جسم کی ماہیت سے مختلف ہے اس جسم میں اس طرح جاری ہے جیسے گلاب میں پانی یا عرق، زیتون میں تیل، کوئلہ میں آگ نہ تحلیل ہو سکتا ہے نہ تبدیل ہو سکتا ہے نہ توڑا جا سکتا ہے نہ پھوڑا جا سکتا ہے۔ اس محسوس جسم کی زندگی اور لوازمات زندگی کو فائدہ دینے والا ہے جب تک کہ اس میں اس کا فیض قبول کرنے کا مادۂ صالح موجود رہتا ہے اور اس کی سرایت میں مادی جسم میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا ہو جاتی۔

امام رازیؒ نے اسی قول کے حق میں فرمایا ہے۔

قول مذهب قوی و قول شریف سب سے قوی اور اچھا قول یہی ہے (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۴۳۹)

نیز اس کے حق میں حافظ ابن قیمؒ نے کتاب الروح میں یہ فیصلہ کیا ہے۔ انه الصواب و لا یصح غیره (یہی درست ہے کہ اس کے علاوہ کوئی بات صحیح نہیں ہے) اور فرماتے ہیں کہ کتاب و سنت، اجماع صحابہ، ادلۂ عقلیہ اور دلائل فطریہ سب اسی امر کے مؤید ہیں۔ پھر اس دعویٰ کے اثبات میں ۱۰۵ دلائل پیش کیے ہیں۔

d.com

علامہ آلوسیؒ نے "روح المعانی" جلد ۵ صفحہ ۱۴۴۔۱۴۳ پر اسی قول کی تعریف کی ہے اس کے علاوہ حکماء و علماء کے متعدد اقوال ہیں جن میں سے ہر ایک قول کی امام رازیؒ اور حافظ ابن قیمؒ نے تغلیط کی ہے۔ ان اقوال میں سے جن کو فلاسفہ یونان ' بعض حکماء اسلام ' بعض شیعہ ' صوفیاء اور معتزلہ نے اختیار کیا ہے اور جس کی حمایت میں شیخ الرئیس ابن سینا نے "الحجج الغرا ' (چمکتی ہوئی دلیلیں) نامی رسالہ لکھا ہے اور شیخ شہاب الدین مقتولؒ اور معمر بن عبادؒ ' ابو القاسمؒ اور علامہ المفیدؒ نے شیخ کی حمایت کی ہے۔

صوفیاء میں سے امام غزالیؒ کی طرف بھی یہ قول پیش کرتے ہیں وہ تعریف روح و نفس کی ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

لیس بجسم و لا جسمانی لیس بداخل العالم و لا خارجہ و لا متصل بہ لا منفصلا عنہ متعلق بالبدن تعلق التدبر و التصرف '

نواب صدیق حسن خان بھوپالیؒ نے تفسیر فتح البیان میں بعض اہل تحقیق کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ روح کی جو تعریفیں کی گئی ہیں ان کی تعداد اٹھارہ سو تک پہنچ گئی ہے (فتح البیان جلد ۵ صفحہ ۳۶۱)

بحثِ حدوث و قدمِ رُوح

افلاطون اور اس کے پیشوا کی طرف منسوب ہے کہ وہ روح کو قدیم کہتے تھے۔ ہمارے علم کے مطابق ارسطا طالیس نے سب سے پہلے قدامت پسندوں کے نظریہ کو باطل ٹھہرایا۔ حکماء مشائیہ اور اشراقیہ نے ارسطاطالیس کے نظریہ کی تائید میں کئی کتابیں لکھیں۔ حکماء اسلام نے بھی ارسطا طالیس ہی کا مسلک اختیار کیا ہے۔ ادلہ نقلیہ حدوث روح ہی کے حق میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین و فقہاء متکلمین و متصوفین کا حدوث روح پر اتفاق ہے۔ حافظ ابن مندہؒ نے اپنی کتاب الروح میں (جس کے متعلق حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں روح کے متعلق اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی) امام محمد بن نصر مروزیؒ سے نقل کیا ہے کہ روح کے مخلوق اور حادث ہونے پر ہر خیال کے مسلمان علماء کا اتفاق ہے [1] لیکن روح کے متعلق جو کتابیں لکھی گئی ہیں اگر ان کا مطالعہ کیا جائے تو ان سے ضرور معلوم ہو گا کہ بعض غالی رافضین اور باطنیہ صوفیاء نے افلاطون کی کورانہ تقلید کو

---

[1] حاشیہ اگلے صفحے پر

© rasailojaraid.com

قرآن کے اتباع پر ترجیح دی ہے حالانکہ ارسطو کے بعض مقلدین اور خود افلاطون کے بعض مقلدین اپنے پیشوا کے قول کی تاویلیں کرتے ہیں۔

بلاشبہ مشائیہ اور اشراقیہ میں سے بعض فلاسفہ اور محدثین میں سے محمد بن نصر مروزیؒ اور ابو محمد بن حزم ظاہریؒ وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ ارواح بدن انسانی سے پہلے پیدا ہو چکی تھیں اور ان دونوں بزرگ محدثین نے اپنے دعویٰ کی تائید میں صحیح بخاری کی اس حدیث کو پیش کیا ہے۔

الارواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف و ما تنا کر اختلف

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۷۹ ’کتاب الانبیاء)

یعنی روحیں لشکروں میں تھیں۔ جس جسم نے اسے پہچان لیا اس سے الفت ہو گئی۔ اور جس نے اس دنیا میں نہ پہچانا وہ اس سے علیحدہ اور مختلف ہو گئیں۔ روحوں کا ملاپ ہے۔ اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ صحیح میں کسی جگہ اس کی سند متصل نہیں ہے۔ آپ نے نہایت صاف بیانی سے کام لے کر فرمایا ہے کہ اس کی متصل سند صرف امام بخاریؒ کی کتاب المفردات میں مل سکتی ہے۔ اس کے علاوہ امام خطابیؒ اور علامہ قرطبیؒ نے اس حدیث کے متعلق بالکل بجا فرمایا کہ اس کے ذریعہ حضور علیہ السلام یہ ظاہر فرما رہے ہیں کہ جس طرح ابدان میں تمایز' تغایر اور تناسب ہے اسی طرح ارواح میں بھی ہے (فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۲۳۳)

البتہ یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ علامہ خطابیؒ بھی علامہ ابن جوزیؒ کے قول کے مطابق ابن حزمؒ کے ہم خیال ہیں (روح المعانی جلد ۱۵ صفحہ ۱۴۴)

ان بزرگواروں نے اپنے نظریہ کی تائید میں دوسری حدیث یہ پیش کی ہے۔

خلق الله ارواحًا قبل الاجساد بالفی عام

حافظ ابن قیمؒ نے اس حدیث کی بابت بجا فرمایا۔ لا یصح اسناده (صحیح سند نہیں ہے)

(حاشیہ صفحہ سابقہ) امام محمد بن نصر مروزی کو مسلمانوں کے جزوی سے جزوی اختلافات میں بہت مہارت تھی۔ عہد صحابہ سے لے کر اس وقت تک جس قدر مسئلوں میں مختلف مسلمانوں کے فرق کا اختلاف ہے اس کا سب پر احاطہ تھا۔ حافظ ابن کثیر نے بھی ان کا حال لکھا ہے اور فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۲۸۲ پر بھی موجود ہے۔

d.com

امام غزالیؒ چونکہ جرح وتعدیل کے شہ سوار نہ تھے اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں۔
المراد بالا رواح الملائکۃ (روحوں سے مراد فرشتے ہیں) (روح المعانی جلد ۱۴ صفحہ ۳۸) ان بزرگواروں نے اپنی تائید میں سنن ترمذیؒ کی یہ روایت بھی پیش کی ہے۔
انا اول الانبیاء خلقا و اخرھم بعثا و کنت نبیا و اٰدم بین الماء و الطین (میں نبی ہوں خلقت میں اول بعثت میں آخر' اور میں اس وقت نبی تھا جبکہ آدم ابھی پانی اور مٹی میں ہی تھے۔

اس نفیس ترین حدیث کی سند میں جو کلام ہے اسے نظرانداز کرتے ہوئے خود حدیث کے صحیح ماننے والوں نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ خلق بمعنی تقدیر ہے' خلق بمعنی ایجاد نہیں ہے۔ اور حضورؐ نے (بشرط صحت حدیث) ظاہر فرمایا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری کی غرض سے اہم ترین غرض میری تشریف آوری ہے اور ہندسیہ اصول کے مطابق غرض تصور و تقدیر میں مقدم اور وجود خارجی میں موخر ہوتی ہے۔ اس لئے جب میری ہی بعثت' بعثت انبیاء کی غایت ہے تو میرا ظہور آخر میں ہی ہونا لازمی و ضروری ہے۔ ہندسین کا قول ہے اول الفکر اٰخر العمل

بعثتِ انبیاء سے مقصودِ فطرت انسانی کو سعادت کاملہ اور تقرب الٰہی سے مالا مال کرنا ہے اور وہ اکمل ترین سعادت اور اقرب ترین تقرب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بعثت سے نوع انسانی کو حاصل ہوا۔ (روح المعانی جلد ۱۴ صفحہ ۳۸)

جمہور ائمہ اسلام اور اس کے متبعین کا مسلک یہی ہے کہ حدوثہا مع حدوث البدن (یعنی بدن کے ساتھ ہی روح پیدا ہوتی ہے) لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جن دو جوہروں میں اتصال ہو ان میں سے ایک کا فنا ہو جانا دوسرے کے فنا ہو جانے کو مستلزم نہیں ہے اس لئے بدن کے ساتھ روح کا فنا ہونا ضروری نہیں ہے جنہوں نے جسم کی طرح روح کو بدن مانا ہے وہ دونوں کا تعلق اس طرح مانتے ہیں جیسے بیج اور تیل' پھول اور خوشبو۔ بیج ضائع ہو جاتا ہے لیکن تیل موجود رہتا ہے اس سے واضح مثال یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک برتن میں پانی ہو اور وہ برتن کسی دوسرے برتن میں رکھا ہو جب چھوٹا برتن ٹوٹ جائے گا تو اس کے ٹوٹنے سے پانی کا ضائع ہو جانا مستلزم نہیں بلکہ وہ اسی بڑے برتن میں چلا جائے گا۔ یہی حال روح کا ہے۔ ائمہ اسلام نے اس نظریہ کی تائید میں (یعنی حدوثہا مع

© rasailojaraid.com

حدوث البدن) سورہ مومنون کی اس آیت کو پیش کیا ہے۔

"..........ثم انشأناہ خلقاً اٰخر.........."

اس آیت میں لفظ خلق اور انشا کے معنی قابل غور ہیں۔ خلق تدریجی (GRADUAL ______) ہے یعنی پہلے نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ وغیرہ لیکن انشا آنی چیز ہے اسی لئے روح کے آنے کو انشا کہا مفسرین کا اتفاق ہے کہ انشأناہ سے مراد نفخ روح ہے۔

اس کے علاوہ صحیح بخاریؒ میں یہ حدیث موجود ہے۔

ان خلق احد کم فی بطن امه اربعین یوما نطفة ثم یکون علقة مثل ذالک ثم یکون مضغة مثل ذالک فینفخ فیه الروح (مشکواۃ المصابیح کتاب الایمان بالقدر صفحہ ۲۰)

اس حدیث کو سامنے رکھ کر نفخ روح کی جتنی آیات ہیں ان سے حافظ ابن قیمؒ نے اپنے نظریہ کی تائید کی ہے (روضۃ المحبین و نزھۃ المشتاقین) امام رازیؒ اور غزالیؒ بھی اسی نظریہ کے مؤید ہیں۔

بحثِ اتحادِ روح و نفس

علماء امت کا اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں ایک ہی حقیقت کا عنوان ہیں یا دونوں دو متضاد حقیقتوں کے عنوان ہیں۔ امام ابن زید نے اکثر علماء امت کا مسلک یہی بیان کیا ہے کہ وہ دونوں ایک ہی چیز کے عنوان ہیں۔ ابن حبیب اور حافظ ابن مندہؒ نے حکایتاً نفس کے طینی اور روح کے نوری ہونے یا نفس کے ناسوتی اور روح کے لاہوتی ہونے کے متعلق چند اقوال نقل کئے ہیں۔ ان بزرگوں نے اپنی تائید میں جو بڑی سے بڑی دلیل پیش کی ہے وہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے جو روح المعانی جلد ۲۴ صفحہ ۷ پر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس عقل و تمیز کا ذریعہ ہے اور روح تنفس و تحرک کا۔ حالانکہ ہم نفس و روح کی صحیح ترین تعریف لکھ آئے ہیں اور اس کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ عقل و تمیز، تنفس و تحرک بلکہ استجلاب اور استدفاع سب ایک ہی چیز کے خواص و آثار ہیں۔ انہی خواص و آثار کے کم نمایاں ہونے کی صورت میں اس کا نام نفس نباتی ہے اور جب وہ خواص و اوصاف کچھ زیادہ نمایاں ہو جاتے ہیں اور تحرک و تنفس کا سلسلہ بھی ان میں معلوم ہونے لگتا ہے تو اس کا نام نفس حیوانی ہے اور

جب یہ خواص و آثار زیادہ ترقی کر لیتے ہیں اور عقل وتمیز نمایاں ہو جاتی ہے تو اسے نفس انسانی یا نفس ناطقہ کہا جاتا ہے۔

پھر نفس ناطقہ میں تحصیل سعادت اور تحصیل شقاوت کے لحاظ سے مختلف مراتب ہیں اور ہر مرتبہ کا ایک مستقل نام ہے۔

امّارہ، لوّامہ، مطمئنّہ

حافظ ابن قیمؒ اور ان کی طرح بہت سے آئمہ تحقیق نے یہی مسلک اختیار کیا ہے کہ نفس اور روح مصداقاً ایک ہی چیز ہیں۔ خود حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول اتحاد کے متعلق موجود ہے ان کے علاوہ صحابہؓ اور تابعینؒ کی ایک جماعت اتحاد ہی کی حامی ہے۔ ہم اس مدعا کی تائید میں صحیح بخاری کی دو حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ کتاب الدعوات میں حضور علیہ السلام کی ایک بہترین دعاء کا ایک فقرہ یوں ہے۔

ان امسکتَ نفسی فارحمھا (روح قبض کرے تو اس پر رحم کرنا)

(صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۳۵)

اسی کتاب کی پہلی جلد صفحہ ۸۳ پر ہے۔

انّ اللہ قبض اروا حکم (باب الاذان صحیح بخاری)

متکلمین نے نفوس کے مراتب مانے ہیں۔ نفس نباتی، حیوانی، انسانی...... شرح مواقف میں یہ بحث موجود ہے جو ڈارون کی تھیوری سے ملتی جلتی ہے۔

* * *

ڈاکٹر اسرار احمد کی مختصر لیکن نہایت مؤثر تالیف
نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے
ہمارے تعلّق کی بنیادیں
کا خود بھی مطالعہ کیجئے اور اس کو پھیلا کر تعاون علیٰ البر کی سعادت حاصل کیجئے
ھدیہ فی نسخہ: تین روپے۔ تبلیغی مقصد کیلئے یک صد نسخوں کی ۳۳ فی صد کمیشن دیا جائے گا۔

© rasailojaraid.com